اور فنا فی الشیخ تھے۔ بے شک ایسے شیخ اور استاذ کے حق میں ایسا ہی احترام اور ادب ہونا چاہیے جیسا مولانا بنوری کو اپنے استاد کے لیے تھا۔ جس طرح علامہ کشمیری کی تحقیق کا محور اسلاف کی تالیفات اور احناف کی تائید تھی، اسی طرح اس ادیب شاگرد کا بھی وطیرہ یہی تھا، بلکہ اس میں کچھ اور آگے بڑھ گئے تھے، کیونکہ مرحوم نے دُنیا کے ایک دُوسرے حنفی محقّق عالم اور محدث علامہ کوثریؒ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ علامہ کوثری اس حمایت میں علامہ کشمیری سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا بنوریؒ نے مشکلات القرآن کے مقدمہ میں علماء حقانیہ کے سلسلے میں چالیس پچاس سال قبل جن علماء کا ذکر کیا تھا، علامہ کوثری سے متاثر ہونے کے بعد نئے ایڈیشن سے علامہ کشمیری کے رفیق درس اور ساتھی استاذ محترم علامہ عبیداللہ سندھی کا نام سُنا ہے خارج کر دیا تھا۔ بہرحال یہ بھی ان کی دینی صلابت کا ردّعمل تھا، جس کو ہم تحقیقی میدان میں بُرا نہیں سمجھتے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنی زبان کو اسلاف کے حق میں آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔

مولانا بنوریؒ صرف لفظی عالم نہ تھے بلکہ صاحبِ حال بھی تھے۔ سندھ کے عظیم مُرشد مولانا حماد اللہ صاحب سے دست بیعت بھی تھے، سلوک اور تصوف کا مرحوم میں نمایاں اثر معلوم ہوتا تھا، اگر کسی سے علمی اختلاف بھی ہوتا تھا تو وہ اپنی جگہ تھا، ان سے دوستی اور روا داری میں کوئی کسر نہیں اٹھاتے تھے، اخلاقِ حمیدہ کے مالک اور بڑے مہمان نواز تھے۔ اس وقت جب کہ اسلامی قانون کی تشکیل کے لیے کوشش ہو رہی ہے مرحوم جیسے محقق اور اپنے نظریے اور عقیدے میں متصلب عالم کی بڑی ضرورت تھی۔

اللہ سے دُعا ہے کہ مولانا مرحوم کی اولاد، مولانا طاسین صاحب اور دُوسرے مُتوسّلین کو صبر کی توفیق عطا ہو۔